پروفیسر عابد علی عابد
ترجمہ سید سجاد رضوی

عہدِ خلفائے راشدین کے معاشرتی حالات

(۱)
قدیم عرب اور جغرافیائی عوامل

تاریخ کے ابتدائی ادوار سے عرب کا ملک دنیا کے ان دور افتادہ خطوں میں شمار ہوتا رہا ہے جن کا بیرونی دنیا سے بہت کم تعلق رہا ہے۔ اور جن کے داخلی حالات میں بمشکل کسی تغیر و تبدل یا ترقی کے لئے گنجائش رہی ہو۔ وہاں کا معاشرہ اتنا جامد و ساکن تھا کہ وہاں ترقی کا تصوّر ہی سرے سے غائب تھا۔ ایک خاصے عرصہ میں اس صحرا میں عمرانی زندگی نے نمود حاصل کی لیکن وہ بیرونی اثرات سے بالکل محفوظ و مامون رہی۔ عربستان کوئی جزیرہ نہیں۔ لیکن انتہائی حدوں پر پہنچے ہوئے طبعی حالات اور قدرتی ماحول ہی ایسا تھا کہ ممالک غیر اور دوسری اقوام سے کسی قسم کا تعلق پیدا ہونا ممکن تھا۔ جب عرب باشندے اپنے وطن کو جزیرۃ العرب کہتے تھے تو اس کا مفہوم یہی تھا۔ البتہ اس صحرا کی پنہائیوں میں ایک ایسی زندگی پیدا ہوئی جو نہ صرف اپنے مخصوص ماحول کے اعتبار سے نرالی ہے بلکہ اس سے انسانی معاشرہ کی ارتقاء کی اولین منزل کا سراغ بھی ملتا ہے۔ اس زندگی کی بنیاد قبائلی نظام پر تھی اور خصائص کے لحاظ سے خالصۃً بدویانہ تھی۔ ان دو باتوں نے اس سرزمین کی آیندہ عمرانی زندگی کو اپنے سانچے میں ڈالا۔ اس سرزمین کا اندرونی حصّہ ظہور اسلام تک بیرونی اثرات سے بالکل محفوظ رہا ہے۔ ظہور اسلام کے بعد یہ عرب ایک عالمی شہرت کے مالک بن گئے، اور انہوں نے ایک آفاقی سلطنت کی نیاد رکھی۔ لیکن چند روزہ زندگی کے بعد وہ از سر نو تاریخ کی اتھاہ تاریکیوں میں گم ہو گئے۔

البتہ اس صحرا کے کنارے کنارے زیادہ ترقی یافتہ عمرانی زندگی نے فروغ حاصل کیا۔ اس سلسلے میں جنوبی عرب، عراق، فلسطین اور اردن کی عظیم تہذیبوں کو مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ اور اس بات سے یہ صداقت عیاں ہوتی ہے کہ ایک قوم کی حیثیت سے عربوں میں تمام ممکن صلاحیتیں موجود تھیں۔ لیکن تاریخ کے اوراق پر عربوں کے یوں ابھرنے سے ہمیں اس امر واقعہ کی طرف سے آنکھیں بند نہیں کر لینا چاہئے۔ کہ اسلام کے آغاز سے قبل عرب کے اندرونی علاقے بالخصوص حجاز اور نجد ایک زمانے تک ابتدائی سادگی

کے عالم ہی میں رہے۔

اب ہمارے سامنے ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ آیا صحرائے عرب بیرونی اثرات سے مکمل طور پر مامون تھا یا ہمیں ایسے آثار ملتے ہیں جن سے اس بات کا سراغ ملتا ہو کہ یہاں عہدِ عتیق میں سست رفتاری سے لیکن بقطع و یقین اور بتدریج ترقی ہوئی ہے۔

اس کا جواب نفی میں ہے؛ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ صحرائے عرب کے اندرونی علاقوں میں بسنے والے عربوں کے اپنے ہمسایہ ملکوں مثلاً ایران، سلطنت روما، یمن اور حبشہ سے تعلقات تھے۔ لیکن یہ تعلقات بڑے معمولی اور نہ ہونے کے برابر تھے۔ مکہ، طائف، یثرب اور صنعا ہی وہ شہر تھے جو اس مشہور تجارتی راہ میں واقع تھے جو عرب کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ چلی گئی تھی اور بحیرہ روم اور بحیرہ عرب کو باہم ملاتی تھی۔ ان شہروں کے باشندے نہ تو بین الاقوامی حیثیت کے تاجر تھے اور نہ ان کے پاس کوئی ویسی اشیائے تجارت تھیں جنہیں وہ دنیا کی منڈیوں میں پیش کر سکتے اور نہ ان میں وہ صلاحیت تھی کہ ذہین قسم کے ایجنٹوں کی حیثیت سے کام کر سکتے۔ ان کا کام لے دیکے یہ تھا کہ وہ ان غیر ملکی کاروانوں کے لئے محافظ رہنما بن سکیں جو گاہے گاہے اس شاہراہ سے گذرتے تھے۔ مہذب دنیا کے ساتھ اس ربط اور رشتے نے ان شہری باشندوں میں تمدن و ثقافت کے چند سطحی اور ابتدائی اثرات پیدا کئے۔ لیکن چونکہ ان پر صحرا کی شدید آب و ہوا اور وہاں کے عمرانی حالات کا غلبہ زیادہ تھا۔ اسی بنا پر یہ اثرات ان کے ہاں کوئی مستقل صورت اختیار نہ کر سکے۔ اندرونِ عرب کے ان باشندوں کے ایران سے بھی کچھ تعلقات تھے۔ مگر یہ تعلق بھی کسی ثقافتی بنیاد پر نہ تھا بلکہ محض اقتصادی تحصیل کے لئے حیرا کے عرب ایران سے روپیہ پیسہ اور مادی امداد حاصل کرتے رہتے تھے۔ لیکن وہ ایرانی ثقافت کو اپنے ہاں نہ لائے۔ مختصراً ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حجاز کے بیرونی دنیا سے تعلقات نے وہاں کے حالات پر کوئی دوررس اثرات مترتب نہ کئے۔ اس امر کی تصدیق و توثیق بڑی وضاحت سے ان مشہور تقاریر کے ذریعے ہوتی ہے جو عرب سرداروں نے ظہور اسلام سے کچھ عرصہ پہلے انوشیرواں کے دربار میں کی تھیں[1]۔

ظہور اسلام کسی قدرتی تاریخی عمل کا نتیجہ تھا یا کرشمۂ خداوندی تھا

یہاں ہمیں دو مشکل سوالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے:

۱۔ کیا اسلام کا عظیم الشان اور یادگار فروغ محض پیغمبر اسلامؐ کی تعلیمات کا نتیجہ تھا اور ان کی بنا پر ایک عظیم الشان تہذیب عدم سے وجود میں آئی۔

۱؎ جمہرۃ خطب العرب۔ جلد اوّل۔

۲۔ کیا یہ امر واقعہ ہے کہ رسول اللہ اور اسلام دونوں ان مخصوص تاریخی کوائف کی قدرتی پیداوار تھے جو عرصۂ دراز سے عرب میں موجود تھے۔

ان سوالات کا جواب دینے کے لئے ہمیں ان تاریخی عوامل کی سائنسی تحقیق کرنا ہوگی جو زمانۂ قدیم سے عرب میں کارفرما تھے۔ اور ان عمرانی اور اقتصادی کوائف کا جائزہ بھی لینا ہوگا جو اسلامی انقلاب سے ذرا قبل عرب کے علاقے میں موجود تھے۔ یہ بات بڑے دعوے سے کہی گئی ہے کہ جب عربوں نے صحرا کو اپنا مسکن بنایا تو ان کی تعداد بڑھتی رہی اور ایک خاص وقت کے بعد وہ اتنی زیادہ ہوگئی کہ معمولی ذرائع اور بے رحم آب وہوا کے ہاتھوں انہیں کشمکشِ حیات سے نبٹنے میں کچھ مدد نہ مل سکتی تھی۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ اس انسانی آبادی کی بڑھی ہوئی تعداد اس صحرائی جزیرے کے ساحلوں تک پھیل گئی۔ قطنی، اسپرینگر، حطی اور جرجی زیدان نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس انسانی سیلاب کا بہاؤ بڑی باقاعدگی سے ہر ہزار سال کے بعد اس طرف کا رُخ کرتا رہا۔ انہوں نے معلومہ تاریخی حالات کے حوالے سے اس قسم کی چار یا پانچ ہجرتوں کا سراغ دیا ہے۔ اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ آنحضرتؐ کے زیرِ سایہ عربوں کا عروج اس سلسلے کی آخری کڑی تھی۔ اس میں اور پہلے انخلاؤں میں فرق یہ ہے کہ یہ زیادہ منظم اور زیادہ طاقتور اور زیادہ جارحانہ تھا۔ اب یہاں پہلے تو یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ اگر اس نظریئے کو قبول کر لیا جائے تو ہمیں یہ بھی ثابت کرنا ہوگا کہ اس سے پہلے جو انخلاء ہوتے رہے ان کی نوعیت بھی اس جیسی ہی تھی۔ لیکن ہمیں مرقومہ یا غیر مرقومہ تاریخ میں نہ تو اندرونِ عرب میں کسی قسم کی منظم زندگی کے آثار نظر آتے ہیں اور نہ ان مہاجرین میں ملتے ہیں جنہوں نے سرحدی علاقوں کی طرف کوچ کیا۔ یہ بات بلاشبہ درست ہے کہ صحرا کی فاضل آبادی نے اردگرد کے ممالک پر حملے کئے۔ لیکن ان حملوں کی حیثیت عسکری نہیں تھی۔ یہ ہمیشہ یا تو نقل مکان کی صورت میں ہوتے تھے یا غارت گری کی خاطر۔ عرب ان سرزمینوں میں پناہ لیتے رہے جن کی آب و ہوا ان کے زیادہ موافق حال اور جہاں کی مٹی زیادہ زرخیز تھی۔ وہ کسی ملک میں فاتح کی حیثیت سے کبھی بھی داخل نہ ہوئے تھے۔ اس لئے زمانۂ ماضی کے واقعات آنحضرتؐ کے عجیب وغریب عروج اور اسلام کے ایک اقتصادی عمل ہونے کی وضاحت نہیں کرتے۔ پھر اگر اس نظریئے کو کوئی وقعت دی جائے تو اسے تمام زمانوں میں درست ثابت ہونا چاہیئے۔ اب کہ آنحضرتؐ کی ولادت کو کم وبیش چودہ سو سال ہوچکے ہیں عرب کے طبعی کوائف ویسے کے ویسے ہیں۔ لیکن اس طویل مدت میں اندرونِ عرب سے آبادی کے وقتاً فوقتاً باہر نکل پڑنے کا قصہ نہیں دہرایا گیا۔ اس کے علاوہ ان اقتصادی اور روحانی اثرات کا قبل اسلام کی ہجرتوں میں ایک شائبہ بھی نظر نہیں آتا جو اسلام نے کرۂ ارضی پر انسانی زندگی کی نشوونما پر ڈالے۔

اس لحاظ سے دوسرے سوال کو ایک لایعنی مقدمے پر مبنی سمجھنا چاہیئے۔

ملکِ عرب اسلام سے پہلے اور جاہلیت کا مفہوم

اب جہاں تک ظہورِ اسلام کے وقت وسطی عرب کے صحیح عمرانی کوائف کا تعلق ہے ان کے بارے میں دو متضاد رائیں ملتی ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ ظہورِ اسلام سے قبل صحرا کے عرب ہر قسم کی برائیوں اور خرابیوں میں مبتلا تھے۔ وہ متواتر ایک دوسرے سے لڑتے رہتے تھے معمولی معمولی جھگڑے قبائلی جنگوں کی صورت اختیار کر جاتے۔ نہایت معمولی مقامی تنازعات صدیوں تک برقرار رہتے۔ لوٹ مار اور رہزنی باعثِ عزت اور اہم اقتصادی سرگرمی سمجھی جاتی۔ جوا اور شراب خواری کو عاداتِ شریفہ میں شمار کیا جاتا۔ معاشرے میں عورتوں کی کوئی قدر نہ تھی۔ کم سن لڑکیاں زندہ گاڑ دی جاتیں وغیرہ۔ غرض کہ مرلوں کے ہاں ایک پاک وصاف، منظم، مہذب، متمدن اور باشعور عمرانی زندگی کا کوئی تصور موجود نہ تھا۔ ان کو اچھی خوراک، اچھے لباس اور اچھے مکان کا کچھ پتہ نہ تھا۔ اسی طرح ان کے ہاں اخلاقیات کے متعلق بھی کچھ تصور نہیں ملتا تھا اور وہ بدترین قسم کی بداخلاقی میں مبتلا تھے۔ یہی وہ عوامل ہیں جن کی بنا پر اس دَور کو عصرِ جاہلیہ کہتے ہیں۔ اور اسی پسِ منظر میں اسلام نے اپنے روحانی، عمرانی اور اقتصادی انقلاب کی تحریک شروع کی۔ اس سے قدرتی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام نے اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بدترین قسم کا ماحول اور نہایت نالائق قوم کو چنا تھا۔ اس نے نہایت ناموافق حالات میں ایک عظیم الشان انقلاب کو وجود دیا اور ایک پُرشکوہ تحریک کو نیستی سے اُبھارا۔ اکثر مسلمان مؤرخین اور علماء دین کا یہی نقطۂ نظر ہے۔ مسدس حالی اور مولانا شبلی کی سیرت النبی میں ان حالات کا فاضلانہ بیان موجود ہے۔ زمانۂ قدیم وجدید کے مسلمان محققین نے بھی اس نقطۂ نظر کی ہمیشہ پُرزور حمایت کی ہے۔ ان تمام چیزوں کے باوجود یہ دیکھنے کے لئے کچھ زیادہ دوربین نگاہوں کی ضرورت نہیں کہ ان باتوں میں صداقت کا عنصر بہت ہی کم ہے۔ سب سے پہلے تو یہی بات خیال میں نہیں آتی کہ دنیا میں ایک نظریاتی انقلاب برپا کرنے کے لئے بدترین علاقہ، بدترین ماحول اور بدترین لوگوں کو تجربہ گاہ کی حیثیت سے چنا جائے۔ عام سوجھ بوجھ اور تاریخ دونوں اس کے خلاف فیصلہ دیتے ہیں۔ ہر قسم کی عمرانی تحریک اپنی توسیع واشاعت کے لئے موافق حالات اور زرخیز زمین چنا کرتی ہے۔ سنگلاخ چٹانوں سے سر پھوڑنے اور اپنی قوتوں کو بیکار ضائع کرنے میں کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اس قسم کا غیر منطقی طریقہ حکمتِ الٰہیہ سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ دورِ جاہلیت کا جو نقشہ کھینچا جاتا ہے وہ نہ صرف مبالغہ آمیز ہے بلکہ اس سے اس دَور کی اصلی حالت کے بڑے سطحی مطالعہ کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً یہ کہ عرب راہ زنی کی طرف اس لئے راغب نہ تھے کہ وہ جرم کے ارتکاب سے لذت حاصل کرتے تھے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس سے ان کو یہ موقع ملتا تھا کہ جوانمردی، شجاعت اور جنگ جوئی کا اظہار کر پائیں۔ اس کی برائی سے وہ بے خبر نہ تھے لیکن اس کا اچھا پہلو ان کے نزدیک زیادہ اہم اور قابلِ قدر تھا۔ اس بیان کی تصدیق اس بات سے ہو جاتی ہے کہ عرب کبھی بھی ظالم قوم کی حیثیت سے مشہور نہ تھے۔ ان کے ہاں

یہ بات ایک گراں قدر روایت کی حیثیت اختیار کر چکی تھی کہ اگر کوئی پناہ مانگے تو اسکو پناہ دیجائے اسیطرح جوا صرف امراء کا مشغلہ تھا اور وہ بھی ان ایام میں جب قحط سالی اور مشکلات کا زمانہ ہو۔ قرآن میں اسی بات کے پیش نظر آیا ہے کہ شراب اور جوئے میں فائدے ہیں۔ لیکن ان کی ضرر رسانی فوائد کے مقابلے میں کہیں زیادہ[1] ہے۔ اسی طرح شراب نوشی بھی عربوں کی عام عادت نہ تھی بلکہ امرا شراب پیتے تھے۔ اور وہ بھی قحط سالی کے زمانے میں اور اس خیال سے کہ وہ یوں نتائج سے بے پرواہ ہو کر جوا کھیل سکیں۔ تعدّد ازدواج بھی عام نہ تھا۔ بلکہ صرف قبائلی سردار اور یثرب و مکّہ کے مالدار سوداگر ہی اسے عمل میں لاتے تھے۔ عام عرب ایک سے زیادہ بیوی کر ہی نہ سکتا تھا۔ عورتوں کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ اور خنساء ہندہ (مادر معاویہ) اور اسی طرح کی دوسری مشہور عورتوں کی داستانوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اسے وہ تمام حقوق حاصل نہ تھے۔ جو بعد ازاں اسلام نے عورت کو بخشے۔ لیکن اس کے باوصف اس زمانے میں دوسرے ملکوں کی عورتوں کے مقابلے میں عرب عورت کا درجہ زیادہ بلند تھا۔ کمسن لڑکیوں کو زندہ گاڑ دینا صرف روساء مکہ اور ہمسایہ قبیلوں کے سرداروں کا معمول تھا۔ ساری قوم اس لعنت میں مبتلا نہ تھی۔ زمانہ قبل اسلام کی تحریروں میں اس بات کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔

اسلام نے اپنے پھلنے پھولنے کے لئے بہترین سرزمین منتخب کی

حقیقت یہ ہے کہ زمانۂ قبل اسلام کے عربوں کی زندگی کے روشن پہلوؤں کو قطعی طور پر نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ عربوں میں کمزوریاں بھی تھیں اور نقائص بھی۔ لیکن ان کے مقابلے میں ان کے اوصافِ حمیدہ اور فطری صلاحیتیں کہیں زیادہ تھیں۔ ان میں یہ امکانات موجود تھے کہ وہ ایک ایسی قوت بن جائیں۔ جو تاریخ کا نقشہ بدل دے۔ ان میں یہ قابلیت بھی تھی کہ ان کو کسی نظریاتی انقلاب کے لئے تجربہ گاہ کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا۔ وہ ثقافتی اور عقل پرستی کے روائتی اثرات کی دست برد سے بچے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بنی اسماعیل کو "اُمّی" کہا جاتا تھا۔ یعنی وہ خارجی ثقافتی اثرات سے بالکل مامون تھے۔ عربوں کی سادگی، قدرتی صلاحیتیں، اور ان کی عمرانی روایات ہی وہ بنیادی عوامل ہیں جن کی بنا پر خدا نے ان کو اس بات کے لئے منتخب کیا کہ ان کے ذریعے سے ایک عالمگیر انقلاب کی مہم شروع کی جائے۔ شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ کے حصۂ اوّل میں اور خدری نے اپنی تاریخ فقہ میں اس بات کو بڑے فاضلانہ انداز میں واضح کیا ہے۔ ان دونوں سے اس بات کا پتہ ملتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے عربوں کی زندگی سے ایک ایسا عمرانی ڈھانچہ عبارت تھا جسے تبدیل کیا جا سکے اور اسے ایک نئی شکل دیکر اسلامی روح کے مطابق ایک عالمگیر معاشرے کی صورت دی جا سکے۔ لہذا یہ پرانا خیال کہ رسول اللہ نے خاک سے

---

[1] قرآن۔ سورۂ بقر۔ آیت ۲۱۹

اک قصرِ بلند اٹھایا اور ایک ایسی قوم کو انقلاب سے آشنا کیا جن میں نہ تو کوئی صلاحیت تھی اور نہ ان کے حالات ہی کچھ اُمید افزا تھے۔ عقلی اعتبار سے بھی غلط ہے اور تاریخ بھی اس کی تصدیق نہیں کرتی۔

اسلام کا آغاز اور عربستان میں بحیثیتِ مجموعی عمرانی کش مکش کی ابتدا

اسلام نے مذکورہ بالا عمرانی ڈھانچے ہی سے ٹکر مول لی۔ شروع شروع میں اہلِ مکہ نے یہ خیال کیا کہ اس نئے مذہب کا مقصد یہ ہے کہ ان کے آباؤ اجداد کے عقائد میں بنیادی تبدیلیاں کی جائیں لیکن جلد ہی یہ بات واضح ہو گئی کہ صرف عقائد کو بدلنا ہی مقصود نہ تھا۔ بلکہ زندگی کے پورے کے پورے تصوّر کو بدل ڈالنا پیشِ نظر تھا۔ نئی اور پُرانی قوتوں کے مابین کش مکش جوں جوں بڑھتی گئی توں توں اس میں سے ایک ایسا عجیب و غریب معاشرہ اُبھرا جسے بعد از ان اسلامی معاشرہ کہا گیا۔ یہ کش مکش بڑی شدید تھی۔ اور دونوں اطراف نے جیتنے کے لئے جان توڑ کوشش کی لیکن تغیرات کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ رُک نہ سکا۔ اس کش مکش کی ماہیت اس کا پسِ منظر اور اس کے ثمرات نہایت اہمیت کے مالک ہیں۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ متعدد تاریخی شواہد کے پیشِ نظر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے کہ جاہلیت کے اسلام میں بدل جانے سے نہ تو یہ تبدیلی ہی مکمل ہوئی تھی اور نہ اس کی حیثیت انقلابی تھی۔ جاہلیت کی بہت سی نشانیاں اور مجلسی روایات معمولی سی ترمیم و تنسیخ کے بعد اسلامی عقائد میں داخل کر دی گئی تھیں[۱]۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ بنیادی سرمایہ تھا جس سے پیغمبرِ اسلامؐ نے اپنا کام شروع کیا اور یہی وجہ تھی کہ انہیں اپنے مقصد میں حیرت انگیز کامیابی ہوئی۔ وہ ایک عالمگیر مشن لے کر آئے تھے۔ انہیں بے حد ذہین، پاک طینت اور انسان دوست کارکنوں اور ساتھیوں کی ضرورت تھی۔ محض پند و نصائح اور ظاہری ٹیپ ٹاپ کی بنا پر وہ ابو بکرؓ اور عمرؓ جیسے آدمی نہیں پیدا کر سکتے تھے۔ اسی طرح ان کے ہزارہا اصحاب جنہیں آج عجوبۂ روزگار قرار دیا جاتا ہے بے پناہ پیدائشی خوبیوں اور مخفی جوہروں کے مالک تھے۔ پیغمبرِ اسلامؐ کا کام صرف اتنا تھا کہ وہ ان جوہروں کو حاصل کریں۔ ان کی مناسب تراش خراش کریں اور انہیں ایک دائمی آب و تاب دے کر یکجان کر دیں۔ یہ جوہر ان قابل جو قبل اسلام غرور و تفاخر، تہور و شجاعت، خونریز انتقامی لڑائیوں، بے جا سخاوت، قبائلی جھگڑوں اور بے کار مقاصد میں مصروف تھے، ظہورِ اسلام کے بعد ایک ایسے پاک و صاف معاشرے کی سربلندی کے کام آئے جو ایک عالمگیر نظامِ اخلاق کو لے کر بساطِ عالم پر نمودار ہوا۔ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اسلام کے ابتدائی تین سو سالوں میں اسلامی فتوحات زیادہ تر عربوں کی شجاعت اور طباعی کا نتیجہ تھیں اور جہاں تک اخلاقی اور علمی فتوحات کا تعلق ہے ان میں بھی

---

[۱] شاہ ولی اللہ۔ حجۃ جلد اوّل

عرب پیش پیش تھے۔ اب تاریخ سے جو بدیہی نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ عرب معاشرہ کے خصائل حسنہ ہی کی بنا پر قدرت نے اسے اس واسطے منتخب کیا کہ وہ رسول اللہ صلعم کو ان کے مشن میں مدد دیں۔ اس امداد کے صلے میں عرب کی یہ محدود اور غیر معروف معاشرت پلک جھپکنے میں عالمگیر معاشرہ میں تبدیل ہوگئی۔ اور اس دنیا میں اس بات کا معیار بن گئی کہ نیک اور قابل قدر شے کیا ہے۔

اسلام کے وہ بنیادی اُصول جنہوں نے عمرانی تغیر کو برپا کیا

ایک واحد و فعال خدا کے تصور نے دَورِ جاہلیت کی منصوص من اللہ پیشوایت کا خاتمہ کر دیا۔ اسلام کے واحد اور نادیدہ خدا کے تصور کے سامنے عربوں کے قبائلی اور مکے کے مرکزی دیوتاؤں اور خاص کاموں سے منسوب مختلف قسم کے دیوتاؤں کو سرِ تسلیم خم ہی کرنا پڑا۔ بتوں کیلئے جانوں کی قربانیاں اور وہ مختلف نیازیں جو ان دیوتاؤں کے حضور پیش کی جاتی تھیں ترک کر دی گئیں۔ وہ جھوٹی پیش گوئیاں جو ان دیوتاؤں سے منسوب کی جاتی تھیں۔ اور جو ذاتی اور قبائلی رنجشوں کی آگ کو ہوا دیتی تھیں ختم ہوگئیں۔ قمار بازی، شراب خوری اور اسی قسم کی دوسری عاداتِ قبیح جن کے متعلق مشہور تھا کہ دیوتا ان کی سرپرستی کرتے ہیں غیر اخلاقی افعال قرار دیدی گئیں۔ یہ بات بھی تسلیم کرلی گئی کہ علم صحیح کا سرچشمہ رسولِ خدا کی ذات ہے۔ اس سے پجاریوں کا بازار سرد پڑ گیا اور بت پرستی کے متعلق یہ قرار دیا گیا کہ یہ گمراہی کا سرچشمہ ہے۔

رسولِ خدا پر ایمان لانے کے متعلق یہ بات مان لی گئی کہ یہی انسانی اخلاق اور خیر و خوبی کا معیار ہے اور اس طرح بہت سے پرانے معیاروں کو خیر باد کہنا پڑا۔

یوم جزا پر ایمان لانے کی بنا پر انسانی اخلاق باقاعدگی اور تنظیم سے آشنا ہوئے۔ اور عربوں کی ایسی بے شمار عادات کا خاتمہ ہوگیا جن سے خود غرضی اور ستم کیشی کی بو آتی تھی۔ طویل قبائلی جنگیں اور ذاتی رنجشیں ختم ہوگئیں اور ان کی جگہ ایک عالمگیر مشن کی اشاعت اور معین عمرانی مقاصد کے حصول نے لے لی۔ خداوندِ عالم کی خوشنودی کے حصول کے لئے عرب اب اپنے بھائیوں کو قتل نہیں کرتے تھے بلکہ اس نئے نظام کے دشمنوں کی تاک میں رہتے تھے خواہ وہ اس کرۂ ارض کے کسی بھی حصے میں کیوں نہ ہوں۔

قصہ مختصر عربوں کا خدا اس کائنات کا خدا قرار پایا۔ رسولِ خدا تمام دنیا کے پیغمبر اور انسانیت کے ہادی و رہنما تسلیم ہوئے۔ اور اسلامی اخلاقیات نے عالمگیر صورت اختیار کر لی۔

مگر یہ خیال کرنا کہ یہ تغیر بڑی آسانی اور بڑے امن و امان سے ہوگیا تاریخ کو غلط سمجھنے کے مترادف ہوگا۔ اس کے باوجود کہ زمانہ جاہلیت کی تمام اچھی روایات اسلام میں قبول کر لی گئیں اور عربوں کی خوبیوں کو اسلامی معاشرے کا سنگِ بنیاد بنایا گیا۔ لیکن پھر بھی اس تغیر کو برپا کرنے کے لئے بڑی محنت اور بڑی جد و جہد سے

کام لینا پڑا۔ مثال کے طور پر ہم سب کو معلوم ہے کہ عربوں کی روائتی حرص کی بنا پر ہی پیغمبر اسلام کو اُحد اور حنین کے مقامات پر شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ قبائلی حسد نے غزوۂ مسطلق کی صورت اختیار کی۔ رسول اللہ کی ممانعت کے باوجود عبداللہ ابن جحش نے تنظیم کے اصول سے مُنہ موڑا اور نخلہ کے قریب اہلِ مکہ کا ایک قافلہ لوٹ لیا۔ بے شمار بیویاں رکھنے کا رواج اس وقت تک جاری رہا جب تک قرآن مجید میں اس کی ممانعت نہ کردی گئی اور اسے محدود نہ کردیا گیا۔ پیغمبر اسلام کی زندگی میں قبائلی علاقوں میں قدیم رسم ورواج اور روایات پہلے کی طرح عمل ہوتا رہا۔ نجد یمامہ اور بحرین لیسے دور دراز علاقوں میں ردِّ عمل کے طور پر نئے اور جھوٹے نبیوں نے فروغ حاصل کیا۔ لیکن درحقیقت یہ نبی قدامت پرستی کی علامت تھے۔ اور ان کا مقصد دراصل پیغمبر اسلام کی مخالفت کرنا نہ تھا بلکہ وہ اس عمرانی تغیر کے خلاف صف آرا ہوئے تھے۔

مختصراً یوں کہنا چاہیئے کہ رسول اللہ کی وفات پر سرزمینِ عرب کی حالت اس علاقہ کی ایسی تھی جسے بیشمار نئے تصورات نے تہ و بالا کردیا ہو۔ ان تصورات نے اصحابِ پیغمبر میں بڑی بنیادی تبدیلیاں پیدا کردیں لیکن جزیرہ نمائے عرب کے باقی علاقوں میں یہ تبدیلی وقتی اور سطحی تھی۔ اور اس سے اس بات کی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے خلیفہ ہونے پر ان قبائل نے کیوں علمِ بغاوت بلند کیا۔ یہ تغیر کیوں کر مکمل ہُوا۔ اور نیا اسلامی معاشرہ کیوں کر معرضِ وجود میں آیا۔ یہ ایک ایسی داستان ہے جس کا تعلق خلافتِ راشدہ کے زمانے سے ہے۔

(باقی آیندہ)

اسلامی مملکت اور معاشرہ کا ارتقاء (انگریزی)

(مصنفہ محمد مظہر الدین صدیقی)

آغازِ اسلام سے عصرِ حاضر تک مسلمان قوموں کے سیاسی اور معاشرتی ارتقاء کی مسلسل تاریخ جس میں ابتدائی دَور کے سیاسی و اقتصادی حالات۔ اسلامی انقلاب کے اثرات۔ بنواُمیہ، بنو عباس اور عثمانی سلاطین کے عہدِ حکومت کی خصوصیات۔ اور ایران و ہندوستان میں مسلم دَور کی ترقیات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ قیمت بارہ روپے۔

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور